بسم اللہ الرحمن الرحیم

افادات: مجلس حضرت مولانا مفتی رضاء الحق حفظہ اللہ تعالی

تحقیق، تدوین اور تحریر:

مفتی عامر بن مولانا ممتاز الحق نذیر

۷/۱۲/۲۰۲۵

۱۶ جمادی الأخری ۱۴۴۷

دارالعلوم زکریا

الحمدُ للهِ نحمدُهُ ونستعينُهُ ونستغفرُهُ ونؤمنُ بهِ ونتوكلُ عليهِ، ونعوذُ باللهِ من شرورِ أنفسِنا ومن سيئاتِ أعمالِنا، من يهدِهِ اللهُ فلا مضلَّ لهُ ومن يضلِلْه فلا هاديَ لهُ

وأشهدُ أن لا إلهَ إلا اللهُ وحدَهُ لا شريكَ لهُ، وأشهدُ أنَّ سيِّدَنا ومولانا محمّدًا عبدُهُ ورسولُهُ، صلّى اللهُ عليهِ وعلى آلِهِ وصحبِهِ وأزواجه و عترته أجمعين۔

أما بعد

مختصرًا عرض یہ ہے کہ ان دنوں اور اس مہینے میں عموماً جلسے منعقد ہوتے ہیں، اور ان جلسوں کا مقصد لوگوں کو قرآن و حدیث کا طالبِ علم بننے کی ترغیب دینا ہوتا ہے، تاکہ ہماری زندگی قرآن و حدیث کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور ہم قرآن و حدیث کے مشغلے میں ہمہ وقت مشغول رہیں۔ عربی میں ایک شاعر کہتا ہے:

لَيْسَ الطَّرِيقُ سِوَى طَرِيقِ مُحَمَّدٍ ﷺ

فَهُوَ الطَّرِيقُ الْمُسْتَقِيمُ لِمَنْ سَلَكَ

مَنْ يَمْشِ فِي طُرُقَاتِهِ فَقَدِ اهْتَدَى

سُبُلَ الرَّشَادِ، وَمَنْ يَزِغْ مِنْهَا هَلَكَ

"محمد ﷺ کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں،

اور جو اس راستے پر چل پڑے، وہی سیدھے راستے پر چلنے والا ہے۔

جو شخص ان کے راستوں پر چلتا ہے، وہ یقیناً ہدایت پا لیتا ہے، رشد و ہدایت کی راہوں تک پہنچ جاتا ہے؛

اور جو ان سے ہٹ جائے، وہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے"۔

<u>تشریح</u>

محمد ﷺ کے راستے کے سوا ہدایت پانے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔ جو قرآن و حدیث کے راستے پر چلتا ہے، وہی ہدایت پاتا ہے اور صحیح راستے پر گامزن رہتا ہے، اور جو اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے وہ ہلاکت کے راستے پر پڑ جاتا ہے اور بالآخر اسی میں گرتا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ امام مالک نے فرمایا

لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا

"اس امت کے آخری زمانے کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس چیز نے ابتدائی زمانے کے لوگوں کی اصلاح فرمائی تھی"۔

[كتاب شرح صحيح ابن خزيمة، عبد العزيز بن عبد الله الراجحي- ج ٩، ص ٢٢] (١)

ایسا نہیں ہو سکتا کہ ابتدائی دور میں لوگوں کی اصلاح قرآن و حدیث سے ہوئی ہو اور آج ہماری اصلاح قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور چیز سے ہو جائے۔

بہرحال، میں عرض کر رہا تھا کہ ان دنوں میں بکثرت جلسے ہوتے ہیں، اور تقریباً ہر جلسے میں قرآنِ کریم کا ختم اور تکمیل ہوتی ہے، اور یہ بلاشبہ نہایت خوشی اور مسرت کی بات ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ جب قرآنِ کریم ختم کر لیتے اور اس کی تکمیل ہو جاتی، تو خوشی کے اظہار کے طور پر دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ دعوت دراصل خوشی کی علامت ہوتی ہے۔

علماء کرام بیان فرماتے ہیں کہ دعوت کی مختلف اقسام ہیں:

۱۔ اعذار

اعذار اس دعوت کو کہتے ہیں جو بچے کے ختنہ کے موقع پر کی جاتی تھی۔ پرانے زمانے میں لوگ اس موقع پر کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات کرتے تھے اور کبھی دعوت کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ یہ کوئی لازم سنت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی کر لے تو بہتر ہے، اور اگر نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔

۲۔ نقیعہ

نقیعہ کا تعلق سفر سے واپسی کے ساتھ ہے۔ عربی میں نَقْع کے معنی غبار کے ہیں۔ یعنی سفر کی گرد جھاڑنے کے بعد خوشی میں دعوت کی جاتی تھی۔ سفر سے واپسی پر کبھی اونٹ، کبھی بیل، کبھی گائے ذبح کی جاتی، یا کسی اور صورت میں دعوت ہوتی، اور بعض اوقات بالکل نہیں بھی ہوتی تھی، کیونکہ یہ لازم اور ضروری نہیں تھا۔ اسی کو نقیعہ کہا جاتا تھا۔

۳۔ عقیقہ

تیسری قسم عقیقہ ہے۔ عقیقہ کی دعوت ہوتی ہے: لڑکے کے لیے دو جانور اور لڑکی کے لیے ایک۔ اور اگر کسی میں اتنی استطاعت نہ ہو تو لڑکے کے لیے بھی ایک جانور ثابت ہے—چاہے بکری ہو یا دنبہ۔ اسی کو عقیقہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ رجبیہ اور عتیرہ

پرانے زمانے میں رجب کے مہینے میں غیر اللہ کے لیے دعوت کی جاتی تھی۔ بعد میں مسلمانوں نے اللہ کے لیے کرنا شروع کیا، لیکن پھر یہ عمل منسوخ ہو گیا۔ اس کو رجبیہ اور عتیرہ کہا جاتا تھا۔

۵۔ مائدہ

اور ایک قسم مائدہ بھی ہے، یعنی ایسی دعوت جس میں دوست و احباب جمع ہوں، باہمی محبت پیدا ہوجائے اور دین کی بات بھی ہوجائے۔

یہ مختلف اقسام کی دعوتیں ہیں جن کا ذکر علماء کرام نے کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا دعوتِ طعام کا اہتمام اور خدمتِ دین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لاتے، تو اکثر اوقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود کھانے کی دعوت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

وہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو ابتدائی دور میں اس قدر غریب اور مسکین تھے کہ بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قال:

لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَىَّ، فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي، وَيُرَى أَنِّي مَجْنُونٌ، وَمَا بِي مِنْ جُنُونٍ، مَا بِي إِلاَّ الْجُوعُ.

رواه البخاري ٧٣٢٤ (٢)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"میں نے خود اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ پھر کوئی آنے والا آتا، وہ اپنا پاؤں میری گردن پر رکھ دیتا، اور اسے گمان ہوتا کہ میں دیوانہ ہوں۔ حالانکہ مجھے کوئی جنون نہیں تھا؛ مجھے صرف بھوک لگی ہوئی تھی"۔

لیکن آخری دور ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے دین کی برکت سے انہیں اس قدر نوازا کہ سفر میں جتنے بھی ساتھی ان کے ساتھ ہوتے، وہ سب کی دعوت کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی نے عرض کیا:

"حضرت! آپ تو روزانہ ہماری دعوت کرتے ہیں، لیکن آج میری طرف سے سب کے لیے دعوت ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"آج آپ نے مجھ سے سبقت کی ہے، اس لیے آج ہم آپ کے یہاں کھانے پر آئیں گے۔"

اور یہ دعوتیں محض کھانے پینے اور گپ شپ کے لیے نہیں ہوتی تھیں، بلکہ ان مجالس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان فرمایا کرتے تھے۔

ان کے پاس احادیثِ نبویہ کا ایک عظیم ذخیرہ تھا۔ وہ ۵۳۷۴ احادیث کے راوی ہیں، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں حدیث صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، کسی اور صحابی سے کیوں مروی نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ حدیث ہی نہ ہو؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بالکل باطل اور غلط ہے۔

حرم میں ایک **محدثِ کَتّانی (۳)** تھے، جو مسند احمد پڑھایا کرتے تھے۔ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اکثر احادیث موجود ہیں۔ وہ جب بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کوئی حدیث بیان کرتے، تو ساتھ یہ بھی واضح فرماتے کہ یہ حدیث فلاں فلاں صحابی سے بھی مروی ہے۔

فرماتے تھے کہ سات یا آٹھ احادیث کے علاوہ، جتنی بھی احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ یہ ان احادیث کی تائید، استشہاد اور تقویت ہے۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب کبھی دوست و احباب جمع ہوں، تو یہ اجتماع محض گپ شپ کے لیے نہ ہو، بلکہ دین کی بات سننے، سمجھنے اور سیکھنے کے لیے ہو۔

اس لیے کہ ہمارا اصل مقصد دین ہے، دنیا نہیں۔ دنیا تو اللہ تعالیٰ نے دین کے لیے ایک ذریعہ بنایا ہے۔

یہ مال اس لیے ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ ہو، دوست و احباب پر خرچ ہو، اور دین کی خدمت کا وسیلہ بنے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنے سال کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا کرتے تھے

سال کے ایک حصے میں جہاد کرتے تھے، ایک حصے میں تجارت، اور ایک حصے میں حدیث کی تدریس۔

تجارت کے بارے میں وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر سفیان ثوری نہ ہوتے، اگر فضیل بن عیاض نہ ہوتے—اور اس طرح چند اکابر اہلِ علم کے نام لیتے—تو میں تجارت نہ کرتا۔ میری تجارت کا مقصد یہ ہے کہ میں اپنے اوپر خرچ کروں، دین پر خرچ کروں، اور علماء کرام پر اللہ کے راستے میں خرچ کروں۔

اسی طرح وہ جہاد بھی فرمایا کرتے تھے۔

لیکن جب جہاد سے فراغت ہوتی اور مالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت آتا، تو اس موقع پر عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ غائب ہو جاتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے مالِ غنیمت کی ضرورت نہیں ہے۔

حالانکہ جہاد میں مالِ غنیمت حاصل کرنا ناجائز نہیں ہے۔ صحابۂ کرام اور تابعین نے مالِ غنیمت لیا ہے، اور یہ بات قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ لیکن عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اس کے باوجود بھی مالِ غنیمت نہیں لیتے تھے۔

مالِ غنیمت لینے سے ایک اور اہم مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے: اگر کوئی آدمی تنخواہ لے کر دینی خدمت انجام دے—مثلاً پڑھاتا ہو—اور وہ تنخواہ اپنی ضرورت کے لیے لیتا ہو، اس نیت سے نہیں کہ تنخواہ ہی اس کا مقصد ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بلکہ اگر اسے کسی اور جگہ سے یہ پیشکش ملے کہ یہاں آپ کو زیادہ تنخواہ ملے گی، لیکن وہ کہے کہ نہیں، میں وہیں کام کروں گا جہاں پہلے سے کر رہا ہوں، تو ایسے شخص کو ثواب بھی ملتا ہے اور تنخواہ بھی۔

بالکل اسی طرح جیسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے لیے جہاد کرتے تھے، پھر انہیں مالِ غنیمت ملتا تھا، وہ اسے بھی قبول کرتے تھے، اور ثواب تو بہرحال ثواب ہی تھا۔

بھلا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ثواب میں کون ان سے زیادہ حق دار ہو سکتا ہے!

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآنِ کریم جیسی بے مثال اور عظیم دولت عطا فرمائی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہم اس ملک میں مشاہدہ کرتے ہیں—ماشاءاللہ—کہ خاص طور پر دیندار گھرانوں میں ایک ہی گھر کے اندر حافظِ قرآن موجود ہوتے ہیں؛ کہیں ایک گھر میں تین تین، چار چار حافظ ہوتے ہیں، اور ماشاءاللہ نہایت عمدہ اور خوبصورت تلاوت کرتے ہیں۔

یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اس ملک میں اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں نازل ہو رہی ہیں، ان کا ایک بڑا سبب قرآنِ کریم اور قرآنِ کریم کی تلاوت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے، بلکہ جن پر رشک کرنا چاہیے—یعنی انسان یہ تمنا کرے کہ یا اللہ! مجھے بھی ایسا بنا دے، یا اللہ! میری اولاد کو بھی ایسا بنا دے۔

عن قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ، قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ، قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " لاَ حَسَدَ إِلاَّ فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالاً فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ، فَهْوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا". (رواه البخاري ٧٣)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"دو چیزیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اسے حق کے راستے میں خرچ کر کے ختم کر دے، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت (علم) عطا فرمائی ہو، پس وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور اسے دوسروں کو سکھاتا ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے:

وفي رواية عَبْدِ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ ـ " لاَ حَسَدَ إِلاَّ عَلَى اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَقَامَ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ، وَرَجُلٌ أَعْطَاهُ اللَّهُ مَالاً فَهْوَ يَتَصَدَّقُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ". . (رواه البخاري ٥٠٢٥)

"ایک وہ شخص ہے جسے اللہ نے کتاب (قرآن) عطا فرمائی ہو اور وہ رات کے مختلف اوقات میں اس کے ساتھ قیام کرتا ہو، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اسے رات اور دن کے مختلف اوقات میں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہو۔"

یعنی ان میں سے ایک وہ مال ہے جو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جاتا ہو، اور دوسری قرآنِ کریم اور علم ہے۔ جس کے پاس قرآن اور علم ہو، اس پر رشک کیا جانا چاہیے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی اسی طرح نصیب ہو جائے۔

اور رسولِ اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم " الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ "- (٤) (رواه مسلم ٧٩٨)

"جو شخص قرآنِ کریم کی قراءت میں ماہر ہو، وہ اُن معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجے رکھتے ہیں۔ اور جو قرآنِ کریم کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے،

اور اس راہ میں مشقت برداشت کرتا ہے، اسے دو اجر ملتے ہیں"۔

اور رسولِ اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

یعنی اس قرآنِ کریم کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ بہت سے لوگوں کو بلند مرتبہ عطا فرماتے ہیں، اور بہت سوں کو—جو قرآنِ کریم کی بے قدری کریں اور اس کا حق ادا نہ کریں—نیچے گرا دیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں آتا ہے:

عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ، أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ، لَقِيَ عُمَرَ بِعُسْفَانَ وَكَانَ عُمَرُ يَسْتَعْمِلُهُ عَلَى مَكَّةَ فَقَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْتَ عَلَى أَهْلِ الْوَادِي فَقَالَ ابْنَ أَبْزَى . قَالَ وَمَنِ ابْنُ أَبْزَى؟ قَالَ مَوْلًى مِنْ مَوَالِينَا . قَالَ فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى؟ قَالَ إِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنَّهُ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ . قَالَ عُمَرُ أَمَا إِنَّ نَبِيَّكُمْ صلى الله عليه وسلم قَدْ قَالَ " إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ " . (رواه مسلم ٨١٧)

کہ حضرت عمر رضي الله عنه نے ایک گورنر سے دریافت فرمایا:

"آپ نے جنگلات اور اہلِ وادی پر کس کو نگران مقرر کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: ‘‘ابنِ ابزہ کو۔’’

فرمایا: ‘‘ابنِ ابزیٰ کون ہے؟’’

انہوں نے کہا: ‘‘وہ ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ایک ہے۔’’

آپ نے انہیں کس بنیاد پر مقرر کیا؟’’

انہوں نے عرض کیا: ‘‘وہ اللہ عزوجل کی کتاب کا قاری ہے اور فرائض (اسلامی قوانین، خصوصاً میراث) کا عالم ہے۔’’

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

واقعی رسولِ اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے:

‘‘إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ’’

‘بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اسی کے ذریعے کچھ دوسروں کو پست کر دیتا ہے۔’ (مسلم ۸۱۷)

اور حضرت عائشہ رضي اللّٰہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:

«إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شَرَفًا يَتَبَاهَوْنَ بِهِ، وَإِنَّ بَهَاءَ أُمَّتِي وَشَرَفَهَا الْقُرْآنُ»

(حلية الأولياء/ كتاب العقد الثمين في شرح أحاديث أصول الدين-[ابن غنام، حسين ص ۱۹۲]

"ہر قوم کے لیے ایک شرافت، ایک مرتبہ اور ایک عزت ہوتی ہے جس پر وہ فخر کرتے ہیں،

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی شرافت، بہا، رونق اور خوبصورتی قرآنِ کریم ہے"-

جس کے پاس قرآنِ کریم ہے وہ باوقار اور خوبصورت ہے، اور جس کے پاس قرآنِ کریم ہے اس کا درجہ بلند ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم عطا فرما دیا، پھر اس کے بعد وہ یہ کہے کہ فلاں شخص—جو قرآن والا نہیں—مجھ سے بہتر ہے، تو اس نے اعلیٰ چیز کو ادنیٰ سمجھا اور ادنیٰ چیز کو اعلیٰ قرار دیا۔ قرآنِ کریم اعلیٰ ہے؛ اسے ادنیٰ نہیں سمجھنا چاہیے۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَشْرَافُ أُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَصْحَابُ اللَّيْلِ» . رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَان - (مشكوٰة المصابيح، حديث ١٢٣٩)

"میری امت کے معزز ترین لوگ قرآنِ کریم کے حامل اور اصحابُ اللیل ہیں—یعنی رات کو تہجد پڑھنے والے".

آج کل رات کے وقت تہجد کا موقع اگر کسی کو صرف دو رکعت بھی نصیب ہو جائے تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، خصوصاً جبکہ راتیں مختصر ہیں۔ اگر کوئی اذان سے دس پندرہ منٹ پہلے اٹھ کر دو چار رکعت پڑھ لے تو یہ بھی بڑی غنیمت ہے۔ اس لیے کہ اصول ہے:

ما لا يُدرك كلُّه لا يُترك كلُّه

جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے، اسے بالکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیے—بلکہ حسبِ استطاعت کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ تو بہت طویل تہجّد ادا فرمایا کرتے تھے۔ **یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ ایک رات میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوا،**

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ـ رضى الله عنه ـ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ. قُلْنَا وَمَا هَمَمْتَ قَالَ هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم. (رواه البخاري ١١٣٥)

"تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں درمیان ہی میں نماز چھوڑ دوں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ برابر پڑھتے جا رہے تھے، پڑھتے جا رہے تھے۔"

اصل بات یہ ہے کہ جس کام میں انسان کو لذت ملتی ہے، اس میں تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر جو لوگ کرکٹ کے شوقین ہوتے ہیں، کرکٹ کھیلتے ہیں، یا ہاکی اور فٹبال کھیلتے ہیں، وہ گھنٹوں گھنٹوں تک دوڑتے رہتے ہیں، پسینہ بہتا رہتا ہے، مگر اس کے باوجود انہیں کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں انہیں لذت حاصل ہوتی ہے۔

تو پھر قرآنِ کریم کی لذت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ دنیا کی کسی بھی لذت کا قرآنِ کریم کی لذت سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے؟

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی مسلسل روزے رکھتے تھے—دن کو بھی روزہ اور رات کو بھی روزہ۔

عَنْ عَائِشَةَ، ـ رضى الله عنها ـ قَالَتْ نَهَاهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَهُمْ . فَقَالُوا إِنَّكَ تُوَاصِلُ . قَالَ " إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي " (رواه مسلم ١١٠٥)

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس طریقے سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ تم اس طرح نہ کیا کرو۔

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپ تو خود ایسا کرتے ہیں، پھر ہمیں کیوں منع فرمایا جاتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے شفقت اور رحمت کے پیشِ نظر اجازت نہیں دی اور فرمایا:

إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں؛ اللہ تعالیٰ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔" (مسلم ۱۱۰۵)

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب اللہ تعالیٰ کھلاتے اور پلاتے ہیں تو پھر روزہ کہاں رہا؟

تو علمائے کرام نے اس کے مختلف جوابات ذکر فرمائے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ عبادت کی لذت اور روحانی کیف کی وجہ سے بھوک اور پیاس کا احساس باقی نہیں رہتا۔

جیسے مثال کے طور پر کوئی شخص کھیل میں پوری طرح مشغول ہو—وہ دوڑتا رہتا ہے، پسینہ بہتا رہتا ہے، لیکن اس دوران اسے تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔

بعد میں جب کھیل ختم ہو جاتا ہے تو وہ ڈاکٹروں کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میں زخمی ہوں، میں تھک گیا ہوں، مجھے علاج کی ضرورت ہے۔

لیکن کھیل کے دوران اسے اس کا شعور نہیں ہوتا۔

یہی کیفیت عبادت میں مشغول ہونے والے کی ہوتی ہے کہ لذتِ عبادت، جسمانی احساسات پر غالب آ جاتی ہے۔

FROM HERE

اور قرآن و حدیث کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہم دعوت کے کام کو اپنا لیں۔

یہ موضوع قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے—امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

سورۃ آلِ عمران (۳:۱۱۰)

تم بہترین امت ہو—اللہ تعالیٰ کے علم میں (یعنی كنتم في علمِ الله، كنتم في اللوحِ المحفوظ)—وہ بہترین امت جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ تمہارا کام کیا ہے؟

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ—اچھے کاموں کا حکم دینا،

اور **وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ**—برائیوں سے روکنا۔

کیا یہ کام صرف علماء ہی کریں گے؟ نہیں!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ**—اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ تمام ایمان والوں کا کام ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چند دن سیکھنے کے لیے آتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ انہیں فرماتے تھے کہ جو کچھ تم نے سیکھا ہے، اب اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ اس کے لیے عالم ہونا شرط نہیں ہے، اس کے لیے ایمان شرط ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم رَحِيمًا رَقِيقًا فَظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَقْنَا أَهْلَنَا فَسَأَلَنَا عَنْ مَنْ تَرَكْنَا مِنْ أَهْلِنَا فَأَخْبَرْنَاهُ فَقَالَ " ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ " ...(رواہ مسلم ٦٧٤)

حضرت مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ ہم ہم عمر نوجوان تھے۔ ہم آپ ﷺ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے۔
رسول اللہ ﷺ نہایت شفیق اور نرم دل تھے۔
آپ ﷺ نے محسوس فرمایا کہ ہمیں اپنے گھر والوں کی یاد آ رہی ہے،
تو آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ ہم اپنے اہلِ خانہ میں سے کن لوگوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔
ہم نے آپ ﷺ کو بتا دیا۔
تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ، ان کے درمیان رہو،

اور انہیں دین سکھاؤ، اور انہیں (دینی احکام کا) حکم دو۔
پھر جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے،
اور تم میں سے جو عمر میں سب سے بڑا ہو وہ امامت کرائے۔" (صحیح مسلم ٦٧٤)

وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰہِ— ہر مومن اس کام کا ذمہ دار ہے۔

البتہ علماء اس کام کو زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتے ہیں،

اسی لیے تبلیغی جماعت میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہر جماعت کے ساتھ ایک عالم ہونا چاہیے۔ اور اگر عالم میسر نہ ہو تو یہ ایک مجبوری ہے، لیکن دعوت کا کام رکتا نہیں—جاری رہیگا۔

مکتوباتِ فقیہ الأُمت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوھی رحمت اللہ علیہ (از مکتوباتِ فقیہ الأُمت) :

سوال:
"میں ایسے ماحول میں ہوں جس میں ذکرِ جہری نہیں کر سکتا، چونکہ دوست واحباب اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں، کیا کروں"؟

جواب:
آپ اپنے دوستوں سے کہا لڑائی کریں گے، آپ ہلکی آواز سے تنہائی میں ذکر کریں، جس سے کسی سونے والے اور نماز پڑھنے والے کو تشویش نہ ہو۔
باقی ذکرِ جہری کا ثبوت خود اذان ہے، خطبہ ہے، تکبیرِتشریق ہے۔

عبارت:
"**أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَلَفًا وَخَلَفًا عَلَى اسْتِحْبَابِ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْمَسَاجِدِ وَغَيْرِهَا، مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ،**
"سب علماء کا اتفاق ہے کہ مسجدوں وغیرہ میں ذکر مستحب ہے،
إِلَّا أَنْ يُشَوِّشَ جَهْرُهُمْ عَلَى نَائِمٍ"
ہاں اگر ان کا جھر اور آواز بلند کرنا اگرکسي سونے والے، یا نمازي، یا قاري کي تلاوت میں خلل ڈال دے تو پھر آہستہ کرنا چاہئے".

وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه أجمعين

حواشی

(١) السؤال:

ما شرح قول الإمام مالك: (لا يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها)؟

الجواب:

هٰذَا كَلَامُ الإِمَامِ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ، يَقُولُ: "لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلَهَا"

والمعنى: أن أول هذه الأمة صلحوا بالتوحيد والقيام بأمر الله، وأداء حقه والجهاد في سبيله، والإيمان بالله وبرسوله، فهذا الذي صلح به أول هذه الأمة، وآخر هذه الأمة لا يصلحها إلا هذا، إذا استقاموا على أمر الله، ووحدوا الله، وأخلصوا العبادة، وآمنوا بالله ورسوله وجاهدوا في سبيله صلح حالهم، فإن لم يفعلوا فلن يصلح حالهم، هذا معناه باختصار.

[كتاب شرح صحيح ابن خزيمة - الراجحي،عبد العزيز بن عبد الله الراجحي- ج ٩، ص ٢٢]

سوال:

امام مالکؒ کے اس قول کی کیا شرح ہے:

"اس امت کا آخری حصہ اسی چیز سے درست ہوگا جس سے اس کا پہلا حصہ درست ہوا تھا"؟

جواب:

یہ امام مالکؒ کا کلام ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس امت کا آخری حصہ اسی چیز سے درست نہیں ہو سکتا جس سے اس کے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے ابتدائی لوگوں کی اصلاح توحید کے ذریعے ہوئی، اللہ کے حکم پر قائم رہنے، اس کا حق ادا کرنے، اس کی راہ میں جہاد کرنے، اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے ذریعے ہوئی۔ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے اس امت کا پہلا حصہ درست ہوا۔

پس اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اسی کے ذریعے ہوگی۔ اگر وہ اللہ کے حکم پر ثابت قدم رہیں، اللہ کو ایک مانیں، عبادت کو خالص کریں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھیں، اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں، تو ان کا حال درست ہو جائے گا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کا حال درست نہیں ہوگا۔ مختصر طور پر یہی اس قول کا مفہوم ہے۔

(کتاب شرح صحیح ابن خزیمہ ـــ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی-جلد ٩، صفحہ ٢٢)

(٢) عَنْ مُحَمَّدٍ، قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فَقَالَ بَخْ بَخْ أَبُو هُرَيْرَةَ يَتَمَخَّطُ فِي الْكَتَّانِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَىَّ، فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي، وَيُرَى أَنِّي مَجْنُونٌ، وَمَا بِي مِنْ جُنُونٍ، مَا بِي إِلاَّ الْجُوعُ. (رواه البخاري 7324)

حضرت محمد (راوی) بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ اس وقت ان کے بدن پر کتان کے دو دھاری دار کپڑے تھے۔ انہوں نے ناک صاف کی، پھر (اپنی سابقہ حالت یاد کر کے) فرمایا:

"واہ واہ! ابو ہریرہ آج کتان کے کپڑوں میں ناک صاف کر رہا ہے!"

پھر فرمایا:

"میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ لوگ آتے، میری گردن پر پاؤں رکھ دیتے، یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید میں دیوانہ ہوں، حالانکہ مجھے کوئی جنون نہیں تھا—مجھے صرف بھوک لگی ہوتی تھی۔"

(٣) شیخ محمد بن جعفر الکتّانیؒ (١٣٤٥ھ / ١٩٢٧ء) مراکش کے شہر فاس کے ایک جلیل القدر محدث اور علومِ حدیث کے بڑے احیا کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا اصل علمی مرکز جامع القرویین تھا، جہاں پر طویل عرصے تک عوامی اور باقاعدہ مجالسِ حدیث منعقد کیں، جن میں مسند امام احمد جیسے بڑے اور مفصل مجموعات کی تدریس بھی شامل تھی، جو اس دور میں ایک غیر معمولی امر تھا۔ شیخ الکتّانیؒ حدیث کو صرف حوالہ یا اقتباس کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ علم کے طور پر پڑھاتے تھے، اسناد پر خاص توجہ دیتے اور طلبہ کو اجازات عطا فرماتے تھے۔ حج و عمرہ کے اسفار کے دوران آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی تدریسی مجالس قائم کیں، جس کے ذریعے آپ کی اسناد حجاز، برصغیر اور دیگر علاقوں تک پہنچیں۔ ان کی معروف تصنیف «الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة» آج بھی کتبِ حدیث اور ان کے مقام و مرتبے کو سمجھنے کے لیے ایک معتبر حوالہ سمجھی جاتی ہے۔

(٤) وفي رواية: عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ " مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهْوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهْوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهْوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ، فَلَهُ أَجْرَانِ ". (رواه البخاري ٤٩٣٧)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اسے اچھی طرح یاد رکھتا ہے، تو وہ معزز اور نیک فرشتوں کے ساتھ ہے۔ اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے، اس کی حفاظت اور پابندی کرتا رہتا ہے جبکہ یہ اس پر دشوار ہوتا ہے، تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔" (صحیح البخاری)